ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۷/۲، جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۲ء

قصۂ حضرت یوسف علیہ السلام

توریت اور قرآن کے بیانات کا موازنہ

ابو اللیث اصلاحی ندویؒ

توریت ایک آسمانی کتاب ہے جس پر ایمان لانا اسی طرح ضروری ہے، جس طرح قرآن پر۔ کتاب اللہ کے اندر متعدد آیتیں ہیں جن میں اگلی کتابوں کو بھی ماننا اسلام کا جزء قرار دیا گیا ہے۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے
وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ	رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے
الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ	اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی
(النساء: ۱۳۶)	تھی پہلے۔

اگلے رسولوں کو جو آسمانی کتابیں دی گئی ہیں ان میں سے بعض کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے انھیں میں سے توریت بھی ہے، جس کے متعلق تصریح ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی، اس لیے توریت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن توریت کے منزل من اللہ تسلیم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے موجودہ نسخوں کو بھی تسلیم کرلیں اور اس میں جو کچھ رطب و یابس ہے سب پر ایمان لائیں، کیونکہ عقلی و نقلی دلائل سے اور خود قرآن کی تصریح سے، توریت اور انجیل کا محرف ہونا ثابت ہے اور اکثر غیر متعصب یہودی اور عیسائی علماء کو اس کا اعتراف ہے۔

اگرچہ علماء کا اختلاف ہے کہ بائبل میں تحریف لفظی ہوئی ہے یا معنوی، لیکن میرے نزدیک صحیح تر اور قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قسم کی تحریفیں ہوئی ہیں لفظی بھی اور معنوی بھی۔

جس طرح عیسائیوں نے ابن اور اب کے الفاظ کو جو اظہار شفقت کے موقع پر استعمال کیے گئے تھے، ان کے حقیقی معنوں پر محمول کردیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشن گوئیوں کو تاویل کر کے دوسرے قالب میں ڈھال دیا۔ اسی طرح انھوں نے ان مقدس صحیفوں کے اندر، انبیاء کرام کے متعلق ایسی فحش اور بیہودہ باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر منسوب کردیں جن کو سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس کی اگر تفصیل معلوم کرنی ہو تو دیکھیے خروج باب ۳۲۔ پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰-۳۸۔ صموئیل دوم باب ۱۱۔ آیت ۲-۱۳۔

قرآن کی شہادتیں تورات و انجیل کی تحریف کے بارے میں بالکل صریح ہیں۔ متعدد جگہ قرآن میں اہل کتاب کے لیے فرمایا گیا ہے کہ

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ	کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف
(النساء: ۴۶)	پھیر دیتے ہیں۔

قرآن کی یہ بھی شہادت ہے کہ بہت سی باتیں وہ بھول گئے۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ	وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے
وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ	ہیں اور جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں
(المائدہ: ۱۳)	سے اپنا ایک بڑا حصہ بھول بیٹھے۔

بھولنے کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر اور انتوخیوس وغیرہ کی چیرہ دستیوں اور بیت المقدس پر ان کے حملوں اور تباہ کاریوں کے بعد اصلی تورات اور صحف انبیاء ضائع ہوگئے اور اس کے بعد چونکہ مدت تک ان کی تعلیمات کا سلسلہ روایت بالمعنی کے طور پر جاری رہا اور عرصہ دراز کے بعد انھیں روایتوں کو عزرا کاتب نے جمع کر کے موجودہ تورات کو مرتب کیا اس لیے بعض واقعات کی ترتیب میں فرق آگیا اور بہت سی باتیں اصل میں داخل ہوگئیں اور بہت سی باتیں قید تحریر میں آنے سے رہ گئیں۔ اس کے علاوہ وہ قصداً بھی بہت سی چیزیں چھپاتے تھے اسی لیے خدا نے فرمایا کہ

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ	رسول آئے ہیں کتاب میں جن امور کو تم
مِنَ الْكِتَابِ	چھپاتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو

(المائدہ : ۱۵) تمہارے سامنے صاف کھول دیتے ہیں۔

اور بہت سی باتیں وہ اپنے اغراض ومقاصد کے لیے اصل کتاب میں ملا دیتے تھے۔ خدا فرماتا ہے :

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ — سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے
ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ — ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف
لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ — سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ کچھ نقد قدرے
(البقرہ : ۷۹) قلیل وصول کریں۔

ریورنڈ ٹامسن اپنی کتاب ہسٹری۔ آف دی انگلش بائبل کے صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں: "احبار نے اٹھارہ مقامات میں توریت کو بدل دیا" اور صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں۔ لیکن کتاب قاضیون باب ۱۸، آیت ۳۰ کے متن میں قصداً تحریف ہوئی۔ کیونکہ یہوناتان کو جو مرتد ہو کر قوم دان کا کاہن بنا منسّی کا پوتا لکھا ہے حالانکہ وہ موسیٰؑ کا پوتا تھا۔ لیکن احبار نے حضرت موسیٰؑ کی کسرشان کے لحاظ سے یہ مناسب نہ جانا کہ آپ کا پوتا مرتد مشہور ہو اس لیے آپ کے نام کے عوض منسّی لکھ دیا" جب احبار نے محض اس بنا پر موسیٰؑ کی جگہ منسّی بنا دیا کہ ان کے نزدیک پوتے کا مرتد مشہور ہونا موسیٰؑ کے لیے باعث ننگ وعار تھا تو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کتنے مقامات پر اپنے عقائد اور خیالات کے مطابق تبدیلی کردی ہوگی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ

....عرصہ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ، جرح وتعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا، یہود بھی اُسی عبرانی نسخہ کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت مشہور تھا کہ غالباً دوسری صدی عیسوی میں جمع کیا گیا ہے اور بعد ازاں احتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہے لیکن اس نسخہ میں چند تحریفیں تو ایسی ہیں جو اب صاف نظر آتی ہیں اور غالباً ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفیں اور بھی موجود ہیں۔ جن کی شاید یا کبھی پورے طور سے قلعی نہ کھل سکے۔

یہ وجوہ توریت کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لیے بالکل کافی ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی لائقِ اعتبار ہے کہ اصل توریت کے ضائع ہوجانے کی وجہ سے اہل کتاب مدت دراز سے صرف اس کے تراجم پر اکتفا کرتے چلے آتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا کا جو اقتباس اوپر درج ہے اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ "عیسائی اور اسکندریہ کے یہود علماء کی حالت اس سے بھی زیادہ بدتر تھی۔ کیونکہ پانچویں

صدی عیسوی تک، شاذ ونادر استثناء کے ساتھ اور پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک بلا استثناء ان بزرگوں نے تمام ترترجموں پر اکتفا کیا ہے اور چونکہ توریت کی اصل زبان، عبرانی میں حروف علت نہ تھے اور صحیح حروف میں بھی، بعض حروف بعض سے اس طرح مشابہ ہیں کہ ذراسی بے احتیاطی میں عبارت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے اور بسا اوقات عبارت اتنی مختلف ہو جاتی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً کتاب اول سموئیل باب ۱۴۔ آیت ۱۸ میں ہے "طالوت نے اخیار سے کہا کہ تابوت کو یہاں لا کیونکہ تابوت اس وقت بنی اسرائیل کے پاس تھا" لیکن محققین کے نزدیک یہ عبارت غلط ہے۔ کیونکہ تابوت اس وقت بنی اسرائیل کے پاس نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کے پاس تھا اس لیے اس وقت کے مشاہیر علماء اہل کتاب یہ کہتے ہیں کہ اصل عبارت یوں ہوگی" اور طالوت نے اخیار سے کہا کہ جبہ یہاں لاکیوں کہ اس نے اس وقت جبہ پہنا" چونکہ عبرانی میں جبہ اور تابوت کے حروف مشابہ ہیں اس لیے یہ فرق ہوگیا۔ غور فرمائیے کہ دونوں عبارتوں میں کتنا فرق ہے لیکن ترجمہ کی ذراسی بے احتیاطی نے کیا سے کیا کردیا ترجمہ کی ذراسی لغزش سے جب بات اتنی بدل سکتی ہے تو کیا یہ کہنا بے جا ہوگا کہ موجودہ بائبل محرف اور ناقابلِ اعتبار ہے؟

یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آسمانی صحیفے اس حد تک مسخ اور ناقابلِ اعتبار ہو چکے تھے تو پھر قرآن نے کیوں اس سے جا بجا حجت پیش کی ہے اور کیوں اہل کتاب کو اس کی اقامت اور پیروی کا حکم دیا ہے اور کیوں مومنین اہل کتاب کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ سوال یقیناً اہم ہے اور ضرورت ہے کہ اس قسم کی ہدایات کو الگ کرکے اس کا جواب دیا جائے لیکن اس وقت میں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا۔ انشاء اللہ پھر کبھی اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ لیکن مختصراً اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن میں جہاں جہاں توریت و انجیل کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا ان میں سے کسی چیز سے استدلال کیا گیا ہے وہاں پر توریت وانجیل سے وہ توریت وانجیل مراد نہیں جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی بدبختی سے مسخ کردیا بلکہ وہ کتابیں مراد ہیں جو ان ناموں کی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جگہ اللہ تعالیٰ نے توریت وانجیل کے الفاظ کی جگہ پر،

مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ اور مَا بَيْنَ يَدَيْهِ (القرآن) وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں کیونکہ توریت و انجیل اگرچہ قرآن میں، اصلی توریت و انجیل ہی کے لیے بولا گیا ہے لیکن اس سے محرف توریت و انجیل کی طرف بھی ذہن منتقل ہو جاتا ہے بخلاف مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وغیرہ کے کہ اس سے بہر حال وہ اصلی اور حقیقی تعلیمات و شرایع ہی مراد ہوں گی جو ان نبیوں پر نازل ہوئیں۔

یہ دیکھ کر واقعی سخت صدمہ ہوتا ہے کہ ان قوموں نے اپنے مقدس صحیفوں کو اس طرح مسخ کر دیا ہے کہ ان کے اندر اصلی تعلیمات کا پتہ لگانا دشوار ہو گیا ہے اور زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ اصلی توریت و انجیل کے ضایع ہو جانے اور ان کے محرف اور غلط ترجموں کی کثرت اشاعت اور شہرت کی وجہ سے اب اس کی تلافی اور تصحیح کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنی آخری کتاب نازل فرما کر توریت و انجیل کی بہت سی اہم تحریفات کا پردہ چاک کیا اور لوگوں کو ان کی اصلیت سے آگاہ کیا اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ فرمایا ہے کہ قرآن کے اندر اگلی کتابوں کی تفصیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ۔ (المائدہ: ۱۵)	اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور درگذر کرتے ہیں بہت سی چیزوں سے۔

ایک جگہ ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔ (النمل: ٧٦)	یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت سی چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن نے زیادہ تر بائبل کی انہی تحریفات کے اور ان کی چھپائی ہوئی باتوں میں انھیں باتوں کے اظہار و کشف کی طرف توجہ کی ہے جن کا تعلق شریعت محمدیؐ کے کسی خاص اہم پہلو سے تھا۔ اس لیے بہت سی باتیں، اب بھی روشن نہ ہوسکیں اور ان پر تحریف اور نسیان کا

پردہ پڑا رہا۔ مذکورہ بالا آیتوں میں دیکھئے کہ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَاءِیْلَ اَکْثَرَ کی تصریح کے علاوہ اَکْثَرَ الَّذِیْ ھُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ فرمایا ہے اس کی وجہ یہی ہے جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا اس لیے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بائبل کے اندر ان مقامات کے علاوہ جن کی تحریف کی طرف اشارہ کیا گیا۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جو محرف اور غلط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل کی بہت سی باتیں قرآن کی بیان کردہ باتوں سے متضاد یا مخالف ہیں۔ یہاں تک کہ قصص و حکایات کے اندر بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے حالانکہ ان کے اندر اختلاف نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ واقعات زمانہ کے ساتھ بدل نہیں جایا کرتے لیکن چونکہ اہل کتاب نے بہت سی باتیں قصداً اپنے مروجہ عقاید یا اپنے اغراض و اہوار کے مطابق بدل دیں اور اصل نسخوں کے ضائع ہو جانے کے بعد مدت کے بعد بائبل کی ترتیب وقوع میں آئی اس لیے جیسا کہ اس قسم کے مواقع پر عموماً پیش آتا ہے: بہت سی باتیں لکھی نہ جاسکیں بہت سی زاید باتیں داخل ہوگئیں اور بہت سے واقعات کی ترتیب میں فرق آگیا اسی کے ساتھ ترجموں کی غلطیوں کی وجہ سے بہت سی باتیں اپنی اصل صورت میں باقی نہ رہیں۔ ان وجوہ سے قرآن اور بائبل کے قصوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا اس اختلاف کے کرشمے اکثر جگہ نظر آتے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسفؑ کا قصہ، توریت میں قرآن سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ آج میں اسی اختلاف کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے قبل بطور تمہید کے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگرچہ اہل کتاب نے اپنے اغراض و اہوا کے مطابق اصل کتاب میں بہت کچھ تبدیلیاں کردی ہیں یا سہو، نسیان اور ترجمہ کی وجہ سے ہوگئی ہیں جس کی بنا پر بعض قصوں کے بعض یا اکثر اجزا مشکوک اور مشتبہ ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر قصص ایسے ہیں جن میں بظاہر تحریف کا کوئی داعیہ موجود نہیں تھا اس لیے وہ تحریف سے بھی محفوظ ہوں گے۔ اس بنا پر توریت کے قصص اس وقت تک صحیح باور کیے جاسکتے ہیں جب تک کسی عقلی یا نقلی دلیل سے ان کا غلط ہونا معلوم نہ ہوجائے، اس لیے توریت کے مطالعہ کے وقت حسب ذیل اصول کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

1۔ اختلاف بیان اور تضاد کے موقع پر، قرآن کا بیان قابل یقین ہے۔ کیونکہ قرآن متواتر ہے محفوظ ہے، بخلاف توریت کے کہ اس کا محرف اور غیر محفوظ ہونا سطور بالا میں، قرآن اور محققین

کے بیانات سے ثابت ہو چکا ہے۔

۲۔ بعض آیات قرآنی کے متعلق مفسرین نے جو احتمالات پیدا کیے ہیں۔ ان میں اسی احتمال کو قوی تسلیم کیا جائے گا جو توریت کی تصریح کے موافق ہو، بشرطیکہ توریت کی تصریح کسی عقلی یا نقلی دلیل سے غلط ثابت ہو جائے۔

۳۔ جو باتیں توریت میں ہیں اور قرآن میں نہیں وہ صدق و کذب دونوں کی متحمل ہیں۔

۴۔ جو باتیں قرآن میں ہیں اور توریت میں نہیں ان کو ماننا اور ان پر یقین کرنا ضروری ہے کیونکہ توریت میں نہ ہونے سے ان کا غلط ہونا لازم نہیں آتا۔

آئیے اب ان اصول کو پیش نظر رکھ کر سورۂ یوسف پر غور کیا جائے۔

سورۂ یوسف میں اور سورتوں کے خلاف، مختلف انبیا کرام کے تذکرہ کے بجائے صرف حضرت یوسفؑ کے تذکرہ پر اکتفا کیا گیا ہے اور انہیں کا قصہ عام اسلوب قرآن کے برعکس زیادہ شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ توریت میں بھی اس کی پوری تفصیل موجود ہے لیکن دونوں میں چند حیثیتوں سے اختلاف ہے۔

۱۔ توریت میں قرآن سے کچھ زاید باتیں ہیں۔

۲۔ قرآن میں توریت سے کچھ زاید باتیں ہیں۔

۳۔ قرآن کے بعض بیان، توریت سے متضاد یا مخالف ہیں۔

اب ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

۱۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ، اگر آپ قرآن اور توریت، دونوں جگہ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو توریت میں بہت کچھ باتیں زیادہ ملیں گی مثلاً توریت میں خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر، ان کے بھائیوں کے بکریاں چرانے کی جگہ، جس قافلہ نے حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکالا اس کا پتہ، خریدنے والے کا نام اس کی بیوی کا نام، اُس کا منصب اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے نام، اور دوسری چیزیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح اثنا ربیان ہی میں، حضرت یوسفؑ کا قصہ، ملتوی کر کے، ایک پورے باب میں، یہود کے ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے اور حرامی اولاد پیدا ہونے کا بیان ہے اور حضرت یعقوبؑ کے مصر جانے، ان کے استقبال اُن کے ساتھ

آنے والوں کی تعداد، پھر فرعون کے دربار کی گفتگو، ان کی جائے رہائش حضرت یعقوبؑ کی موت ان کی وصیتیں اور بہت سی باتیں توریت میں قرآن سے زاید منقول ہیں۔ اسی کے ساتھ واقعات کے بیان میں بہت زیادہ اطناب اور بے سود تکرار سے کام لیا گیا ہے۔ تطویل کے خوف سے میں یہاں توریت سے بے سود تکرار کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی قحط کے سال غلہ لینے کے لیے، کنعان سے مصر آتے ہیں، اس کا بیان توریت میں یوں شروع ہوتا ہے۔

"پس اسرائیل کے بیٹے اور آنے والوں میں ملے ہوئے خرید کرنے آئے کہ کنعان کے ملک میں کال تھا اور یوسف ملک کا حاکم تھا کہ وہ ملک کے سارے لوگوں کے ہاتھ غلہ بیچتا تھا، سو یوسف کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اس کے حضور خم ہوئے، یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا پر اس نے آپ کو ناواقف بنایا اور ان سے سخت بولی بولا اور ان سے پوچھا تم کہاں سے آتے ہو؟ وے بولے کنعان کی زمین سے کھانے کی چیزیں مول لینے کو۔۔۔۔ اور اس نے انھیں کہا کہ تم جاسوس ہو کر آتے ہو تاکہ اس زمین کی بری حالت دریافت کرو، انھوں نے اس سے کہا نہیں اے میرے خداوند، تیرے غلام کھانے کی چیزیں مول لینے آئے ہیں، ہم سب سچے ہیں، تیرے غلام جاسوس نہیں۔۔۔۔ تیرے غلام بارہ بھائی کنعان کے بیچ ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں اور دیکھ چھوٹا آج کے دن ہمارے باپ کے پاس ہے، اور ایک نہیں ملتا، تب یوسف نے انھیں کہا، وہی جو میں نے تمہیں کہا کہ تم جاسوس ہو اسی سے تم امتحان کیے جاؤ گے فرعون کی زندگی کی قسم کہ تم یہاں سے بغیر اس کے کہ تمہارا چھوٹا بھائی یہاں آدے جانے نہ پاؤ گے۔
ایک کو آپ میں سے بھیجو کہ تمہارے بھائی کو لادے اور تم قید رہو تاکہ تمہاری باتیں جانچی جاویں کہ تم سچے ہو کہ نہیں اور نہیں تو فرعون کی جان کی قسم تم یقیناً جاسوس ہو"

(کتاب پیدائش باب ۴۲ آیت ۵ - ۱۶)

اس کے بعد تین دن تک قید رہ کر شمعون کے علاوہ سب حضرت یعقوبؑ کے پاس جاتے ہیں

اور وہاں اپنی پوری سرگذشت حضرت یعقوبؑ کو سناتے ہیں، اس کو توریت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"وہ شخص جو اس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھہرایا، ہم نے اسے کہا کہ ہم سچے آدمی ہیں، ہم جاسوس نہیں ہیں، ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں ہم میں سے ایک نہیں ملتا اور سب سے جو چھوٹا ہے آج اپنے باپ کے پاس زمین کنعان میں ہے، تب اس شخص نے جو ملک کا مالک ہے ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچونگا کہ سچے ہو کہ نہیں اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑو اور اپنے گھرانے کے لیے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ تب میں جانچوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کروں گا اور تم ملک میں سوداگری کیجیو۔" (پیدائش باب ۴۲ آیت ۳۰-۳۵)

یقیناً یہ تطویل بے کار ہے، یہاں پر صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ مصر آکر ان لوگوں نے اپنے باپ سے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ اطناب کی مثالیں ملاحظہ فرمانی ہوں تو دیکھئے باب ۴۱ آیت ۱ تا ۸ و ۹ تا ۱۳۔

بعض مقامات پر تو اس قدر اطناب اور تطویل سے کام لیا گیا ہے کہ پڑھتے وقت ایک کوفت سی ہوتی ہے اور کلام بالکل بے مزا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے مقابل میں قرآن کی بلاغت دیکھئے کہ ہر بات اس قدر ایجاز اور اختصار سے بیان کرتا ہے کہ کلام کی شان و وقعت میں بھی فرق آنے نہیں پاتا اور مفہوم بھی خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے، توریت میں جس چیز کا بیان کئی سطروں میں ہوتا ہے۔ قرآن اسی بات کو صرف چند جملوں میں ادا کر دیتا ہے۔ بادشاہ کے خواب کی تفصیل توریت میں ۸ طویل آیتوں میں ہے لیکن قرآن میں صرف اتنے الفاظ میں ادا کر دیا گیا ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ	اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں
سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ	کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات
سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ	دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں
(یوسف: ۴۳)	ہیں اور دوسری سات خشک۔

اس خواب کو قرآن میں دو مرتبہ بیان کرنا پڑا، ایک مرتبہ جب بادشاہ نے اس کو درباریوں کے سامنے بیان کیا دوسری مرتبہ جب ساقی نے تعبیر لینے کے لیے حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش کیا

لیکن باوجود اس کے قرآن نے اس کو اس صفائی اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا کہ اس سے کسی قسم کی ناگواری نہیں پیدا ہونے پائی۔ توریت کے باب ۴۱۔ آیت ۹ تا ۱۴ میں جو کچھ کہا گیا ہے قرآن نے اس کو ایک آیت میں بیان کردیا ہے:

قَالَ الَّذِی نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ	اور ان دونوں میں سے جو چھوٹ گیا تھا اور
أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ ۔	ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا وہ بولا
(یوسف: ۴۵)	میں آپ لوگوں کو اس کی تاویل بتاؤں گا۔

توریت میں ایک موقع پر ہے:

پھر انھوں نے یوسفؑ کی قبا لی اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انھوں نے اسی قبا کو آگے بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے۔ باب ۳۷۔ آیت ۳۱۔۳۲۔ قرآن نے اتنی بات کو ایک جملہ میں ادا کردیا ہے کہ

وَجَآءُوْ عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ	اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا
(یوسف: ۱۸)	خون بھی لگا لائے

اس قسم کے ایجاز کی مثالیں اور سورتوں کو چھوڑ کر صرف سورۂ یوسف کے اندر متعدد ملتی ہیں لیکن اختصار کے خیال سے میں انھیں نظرانداز کرتا ہوں۔

توریت کے اطناب وتطویل وتکرار اور قرآن کے ایجاز اور اختصار کو دیکھنے کے بعد اس کے وجوہ ونتائج پر بھی غور کرنا چاہئے۔ کتاب اللہ تدبر کے لیے نازل کی گئی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ	کیا قرآن پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے
قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴)	دلوں پر قفل لگے ہوتے ہیں۔

غور وتدبر فی نفسہ مطلوب نہیں ہے بلکہ مقصود اصلی، حقیقت شناسی اور معرفت ہے جو غور وتدبر سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں قصص کے بیان میں ایجاز واجمال سے کام لیا گیا تاکہ غور وفکر کی طاقت میں اضافہ ہو۔ دوسرے کتاب اللہ میں قصوں کے ذکر کی غرض محض تذکیر وموعظت ہے اس لیے اشخاص وامکنہ کے نام وغیرہ کی تصریح نہیں کی جاتی کہ یہ اصل مقصد کے لیے بے کار ہے اور صرف انھیں اجزا کو بیان کیا جاتا ہے جو اصل مقصد کے لیے مفید ہوں، قرآن میں کثرت سے

انبیاء اور گذشتہ قوموں کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح ایک مورخ ہر چھوٹے بڑے واقعہ کا تذکرہ بالاستیعاب کرتا ہے بلکہ اس طرح کہ تذکیر و موعظت کے پہلو روشن ہو جائیں۔ توریت میں یہ نکتہ نظر انداز کر دیا گیا ہے اِس لیے اس کے اندر غیر ضروری اجزاء درج ہیں۔ لہٰذا اگر توریت میں ان سے کچھ زاید باتیں ہوں تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ قرآن میں توریت سے جو زاید باتیں ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ قرآن کا تواتر اور صحت مسلّم اور توریت کا محرف ہونا معلوم ہے اور کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ جو کچھ قرآن میں ہے ان سب کا توریت میں بھی ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھئے ایسا کیوں ہوا۔ اوپر میں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن میں قصص کے بیان کا مقصد، محض تذکیر و موعظت ہے، اس لیے قرآن بعض واقعات کے غیر ضروری اجزاء کو حذف کر دیتا ہے کیونکہ ان کا ذکر مقصد کے اعتبار سے بے سود ہوتا ہے اور توریت میں اس کا خیال نہیں کیا جاتا اس لیے وہاں ایک ہی واقعہ کے متعلق قرآن کے بیان کردہ واقعات سے کچھ زاید باتیں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح قرآن میں جو باتیں زیادہ ہیں اس کی وجہ بھی دراصل یہی ہے کہ توریت کے مرتب کرنے والوں نے ان واقعات کی روایت کا اصل مدعا نظر انداز کر دیا اس لیے بعض بے کار باتیں درج کر دیں اور بہت سی کارآمد باتیں حذف کر دیں لیکن قرآن جس طرح غیر ضروری اجزاء کو اصل مقصد کے لحاظ سے بے کار سمجھ کر حذف کر دیتا ہے اسی طرح ان اجزاء کو جو ضروری ہوتے ہیں، ذکر کرتا ہے اگرچہ توریت اس سے خاموش ہو۔ سورۂ یوسفؑ کا توریت سے موازنہ کیجئے، آپ کو جو باتیں قرآن میں زائد معلوم ہوں گی، غور کرنے سے آپ کو خود یقین ہو جائے گا کہ ان کا ذکر اہم اور ضروری تھا۔ مثلاً توریت میں اگرچہ دُوراز کار باتیں بہت زیادہ ہیں۔ لیکن زنانِ مصر کے کید کا جو حال قرآن میں مذکور ہے، اس کا توریت میں کہیں ذکر نہیں حالاں کہ حضرت یوسفؑ کی سیرت میں درحقیقت سب سے زیادہ درخشاں واقعہ یہی ہے کہ انھوں نے عزیز کی بیوی اور دوسری عورتوں کی، مختلف قسم کی تدبیروں اور فریب کاریوں کے باوجود بھی اپنی پاک دامنی پر کسی قسم کا دھبّہ نہیں آنے دیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ بیان کیا جائے لیکن خاص اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا جائے جو ان کی زندگی میں بہت زیادہ اہم اور موثر ہو؟ اس لیے قرآن میں اگرچہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں اور لڑکوں کے

کے نام، اور حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر میں داخل ہونے والوں کی تعداد اور دوسری باتیں مذکور نہیں لیکن اس نے تفصیل وصراحت کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا۔ اسی طرح جب دو شخصوں نے حضرت یوسفؑ کے سامنے تعبیر معلوم کرنے کے لیے اپنا خواب بیان کیا تو توریت کے بیان کے مطابق، انھوں نے خواب سننے کے ساتھ ہی یہ کہہ کر کہ تعبیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تعبیر بتانی شروع کردی، لیکن قرآن میں ہے کہ وہ موقع کو غنیمت سمجھ کر پہلے ان کو تسکین دیتے ہیں کہ تم کو جو کھانا ملتا ہے، اس کے آنے سے قبل ہی، میں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ اس کے بعد، توحید اور معرفت الٰہی کا ایک نہایت موثر وعظ فرماتے ہیں جو موقع کے لحاظ سے نہایت بلیغ اور جامع ہے اور اس کے بعد، پھر چند جملوں میں خواب کی تعبیر بتا دیتے ہیں۔ قرآن کے اس بیان سے واضح ہوگیا کہ حضرت یوسفؑ، صرف تعبیر خواب ہی نہیں بلکہ اس سے بدرجہا بلند نبوت اور اصلاح قوم کے منصب پر فائز ہیں لیکن توریت نے اس سے خاموشی اختیار کرلی۔ اسی طرح توریت نے ایک طرف تو یہاں تک تفصیل بیان کی کہ جس جانور کے خون سے قمیص رنگین کر کے وہ لے آئے تھے اس کو بھی واضح کردیا لیکن یہ نہیں بیان کیا کہ اپنے جھوٹ کو فروغ دینے اور اپنے والد کو مطمئن کردینے کے لیے انھوں نے کیا طریقہ اختیار کیا، قرآن نے انتہائی ایجاز کے ساتھ اس ایک جملہ میں اسے بیان کردیا

وَجَاۗءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَاۗءً يَّبْكُوْنَ۔ وہ اپنے باپ کے پاس کچھ رات گئے روتے ہوئے آئے۔ (یوسف: ۱۶)

اسی طرح جس وقت عزیز مصر کی بیوی نے، حضرت یوسفؑ پر بدکاری کا الزام لگایا تو قرآن میں ہے کہ اسی عورت کے کسی عزیز نے یہ شہادت دی کہ

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ الخ (یوسف: ۲۶) اگر اس کا کرتا آگے کی طرف سے پھٹا ہوا ہو تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔

قصہ کے آخر میں خاتمہ پر، قرآن حضرت یوسفؑ کی دعا نقل کرتا ہے

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ الخ (یوسف: ۱۰۱) پروردگار آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔

غور کیجیے کہ اگر اس دعا کو نقل نہ کیا جاتا تو یقیناً اس طویل قصہ کے بیان کرنے کی غرض بہت حد تک

فوت ہوجاتی توریت میں بجائے اس کے دوسری غیر ضروری چیزوں کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے لیکن ان کی سیرت کی اس موثر چیز کا تذکرہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۳) توریت اور قرآن کے بعض بیانات میں سخت اختلاف اور تناقض پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تحریف، تدلیس، تخلیط اور نسیان کی وجہ سے واقعات کی اصلی صورت، اکثر جگہ باقی نہیں رہی اور ان کی نوعیت بدل گئی، ایسے موقع پر مذکورہ بالا اصول کے مطابق، قرآن کا بیان صحیح تسلیم کرنا واجب ہے کیوں کہ یہ متواتر ہے اور ہر قسم کی کمی وزیادتی سے محفوظ ہے بخلاف توریت کے کہ خود یہودی علماء نے اس کا غیر محفوظ اور محرف ہونا تسلیم کرلیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یوسف علیہ السّلام کے قصہ میں توریت کا جو بیان، قرآن سے مخالف نظر آتا ہے، غور کرنے کے بعد وہ عقل اور توریت کی بعض شہادتوں کے بھی مخالف نظر آتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر تحریف بائبل کے لیے اور کوئی دلیل نہ ملے تب بھی اس کو محرف یقین کرنے کے لیے، ان اختلافات پر غور کرنا کافی ہے۔ یہاں میں اس کی چند مثالیں درج کرتا ہوں۔

(۱) توریت کا بیان ہے کہ جس وقت عورت نے یوسف سے ہم بستر ہونے کو کہا تو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، اس عورت نے جب دیکھا کہ اس نے اپنا پیراہن میرے ہاتھ میں رہنے دیا اور بھاگ نکلا تو اپنے گھر والوں کو بلایا اور کہا کہ وہ عبرانی غلام اندر گھسا تھا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو لیکن میں چلّا اٹھی اس لیے وہ اپنا پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر باہر نکل گیا، یہی باتیں اس نے اپنے شوہر کے سامنے بھی بیان کیں جس کو سن کر وہ بہت برافروختہ ہوا اور یوسف کو قید کردیا، تکوین باب ۳۹ آیت ۱۱-۱۹

قرآن کا بیان اس سے مخالف ہے، قرآن میں ہے کہ دروازہ کی طرف دونوں لپکے، یوسفؑ بھاگنے کے لیے اور وہ عورت ان کو پکڑنے کے لیے، لیکن دروازہ پر پہنچ کر دونوں نے اپنے آقا کو سامنے پایا، عورت نے انتہائی چالاکی کے ساتھ، سارا الزام، یوسف کے سر دھوپ دیا کہ انھوں نے میرے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا تھا لیکن خود اسی کے کسی عزیز کے فیصلہ کے مطابق، حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ثابت ہوگئی، اس لیے عزیز نے یوسفؑ کو اعراض کا حکم دیا اور عورت کو سرزنش کی۔

یہاں دو اختلاف پائے جاتے ہیں۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ توریت کے بیان کے مطابق اسی الزام میں حضرت یوسفؑ کو قید کر دیا گیا لیکن قرآن کی رو سے الٹی اس عورت ہی کو سرزنش ہوئی۔ دوسرے یہ کہ توریت میں ہے کہ "اصرار" اور "انکار" کے بعد جب حضرت یوسفؑ، دامن بچا کر نکل گئے تو گھر والوں کو اس واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی لیکن عورت نے گھر والوں کو خود بلا کر حضرت یوسفؑ پر بدنیتی کا الزام لگایا مگر قرآن کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عزیز کو یا گھر والوں کو نہیں بلایا بلکہ اتفاقاً دروازہ کی طرف لپکنے کے وقت عزیز دروازہ پر مل گیا اس لیے اس کو شوہر کی بدگمانی سے بچنے کے لیے یہ بات بنانی پڑی۔

مَاجَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا — اس کی سزا کیا ہے جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے۔ (یوسف: ۲۵)

توریت کے یہ دونوں بیان خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا اس لیے کہ خود توریت کے بیان کے مطابق، عزیز مصر، حضرت یوسفؑ کی للّٰہیت اور خدا ترسی کا بہت قائل تھا اس لیے ان کو بہت عزیز رکھتا تھا (توریت تکوین باب ۳۹۔ آیت ۴۔ ۵ میں ہے کہ

"جب اس کے (یعنی یوسف کے) آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے سب کاموں میں اسے اقبال مند کیا۔ چنانچہ یوسفؑ اس کی نظر میں موردِ لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی اور اسے اپنے گھر پر نائب کر دیا اور سب کچھ جو اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا۔"

کیا یہ ممکن ہے کہ عزیز مصر، اس اعتماد، اعتقاد اور اعتراف خلوص و خدا ترسی کے بعد، محض ایک عورت کے کہہ دینے کی وجہ سے، خواہ وہ عورت کیسی ہی معتبر کیوں نہ ہو، بغیر کسی قسم کی شہادت اور تحقیق حالات کے بے دریغ ان کو قید خانے میں بھیج دیتا۔ جیسا کہ توریت میں ہے؟ میرے خیال میں ہر شخص اس کا انکار کرے گا۔ نیز یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ایسے موقع پر حضرت یوسفؑ کو قید کرنا، خود اپنی تشہیر اور بدنامی کا سامان کرنا تھا۔ اس لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ یوسفؑ کو قید کر کے، عزیز نے خود اپنی تشہیر اور بدنامی پسند کی ہو؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق جب خود عورت کا گناہ ثابت ہو گیا تو زیادہ سخت سزا کے بجائے جس کی وہ اس موقع پر مستحق

تھی، عزیز نے معمولی سرزنش پر اکتفا کرلیا، کیونکہ سزا کی صورت اختیار کرنے میں اس معاملہ کے پھیل جانے اور مشہور ہو جانے کا ڈر تھا۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو یہاں یہ شبہ ہو کہ اگر قید خانہ میں بھیجنا باعث تشہیر تھا تو پھر قرآن کے بیان کے مطابق، کیوں عزیز نے بعد میں ان کو قید کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشہیر کے بعد کا واقعہ ہے جب بات شہر کی گلی کوچوں میں عام ہو گئی تو پھر اس پر پردہ ڈالنے کی سعی بے سود تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اُس موقع پر حضرت یوسفؑ کو قید کرنا ہی تشہیر اور بدنامی کو روک سکتا تھا۔

توریت کا دوسرا بیان بھی خلاف عقل ہے۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عورت حضرت یوسفؑ پر فریفتہ تھی اور دل وجان سے اُن پر فدا۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ان کو رسوا کرنے، ذلیل کرنے بلکہ قید ومحن میں مبتلا کرنے کا سامان بھی، یہ الزام لگا کر مہیا کر دیا۔ دراں حالیکہ توریت کے بیان کے مطابق "خلوت" خانہ کی کارروائیوں کو کسی نے دیکھا بھی نہ تھا کہ کہا جائے کہ اس نے اپنے کو نصیحت سے بچانے کے لیے، ان کی رُسوائی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ چشم فلک نے اس قسم کا عشق تو غالباً کبھی نہ دیکھا ہوگا اب تک تو یہ سنتے آئے تھے کہ عشاق پر فراق کی گھڑیاں بہت شاق گزرتی ہیں اس لیے وہ وصل میں بھی فراق کے خوف سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر توریت کا یہ بیان صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ عشق کی نئی قسم سمجھی جائے گی کہ عاشق دعوائے عشق کے باوجود، خود محبوب کی جدائی کا خواہاں اور اس کے مواقع کا جویاں ہے غلط فہمی میں پڑنے سے بچنے کے لیے، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگرچہ خود قرآن کے بیان میں ہے کہ عورت نے حضرت یوسف کے خلاف بدنیتی کے الزام میں، قید خانہ یا کسی سخت سزا کی تجویز پیش کی (مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)۔ لیکن توراۃ اور قرآن کے بیان میں یہ فرق ہے کہ قرآن کے بیان کے اعتبار سے اس نے ایسا مجبوراً کیا، اس وقت جبکہ اپنی ذات کو بدنامی اور رُسوائی سے بچانے کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہ تھا، اگرچہ یہ چیز بھی آئین عشق کے خلاف ہے لیکن عورت سمجھ کر اس کو معاف کیا جاسکتا ہے۔ توریت کے بیان کے مطابق اس نے ایسا بغیر کسی مجبوری کے کیا۔

اِس خاص موقع کے علاوہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس عورت نے پھر کبھی یوسفؑ کو قید خانہ بھیجنے کی خواہش یا کوشش کی ہو، دھمکی البتہ دی ہے اور یہ چیز قابل اعتراض نہیں

البتہ لوگوں نے بعض وجوہ سے ان کو قید خانہ میں بھیج دینا مناسب سمجھا۔

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ الخ — پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد انھیں مصلحت یہی معلوم ہوئی

(یوسف: ۳۵)

اس موقع پر بھی اگرچہ اس نے اپنی فطری کمزوری کی بنا پر اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے، یوسفؑ کی کوئی پرواہ نہیں کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ موقع اس عورت کے لیے بہت زیادہ نازک تھا۔ ایک طرف عقل و ہوش کی دعوت تھی، دوسری طرف عشق و محبت کی، لیکن وہ اپنے عشق میں خام تھی اس لیے ہوش کی دعوت کو قبول کر کے، اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے، یوسفؑ کو متہم کر دیا لیکن اس کے باوجود اس کی گفتگو میں عشق و محبت کی جھلک نمایاں ہے، ایک طرف اُسے ڈر ہے کہ اگر اپنی صفائی نہ پیش کی جائے تو معلوم نہیں اس کا کیا نتیجہ ہو، دوسری طرف یہ خطرہ بھی دماغ پر مستولی ہے کہ کہیں اس کی وجہ سے اس کے محبوب کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ وہ اس وقت عجیب حیص بیص میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کا اظہار اس کے اس جملہ اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (یوسف: ۲۵) سے ہوتا ہے، اس نے اپنی برارت ثابت کرنے کے لیے یہ تو کہہ دیا کہ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا۔ لیکن آگے اس کی زبان رک جاتی ہے اور یوسفؑ کی محبت غالب آجاتی ہے۔ لیکن بہرحال اپنی برارت کرنی ہے، اس لیے قید کی خفیف سزا کی تجویز پیش کی اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ۔ لیکن پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ خفیف سزا کی تجویز سے کہیں عزیز یہ نہ سمجھ لے کہ واقعی دال میں کچھ کالا ہے اس لیے دل کڑا کر کے کہتی ہے اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ غور کیجیے کتنا نازک موقع تھا کہ اتنی احتیاطوں کے بعد بھی اس کے جملے اس کے قلب کی کیفیات کے آئینے ہیں۔

آنسو رکے تو کیا نہیں چھپنے کا رازِ عشق — حسرت ٹپک پڑے گی ہماری نگاہ سے

(۲) توریت میں ہے کہ قحط کے زمانہ میں جب یوسف کے بھائیوں کا قافلہ، غلہ لانے کے لیے مصر پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے ان کو دیکھ کر پہچان لیا لیکن اس کے باوجود ان سے سختی سے گفتگو کی اور جاسوسی کے الزام میں، ان میں سے شمعون کو گرفتار کر لیا اور یہ کہا کہ جب

تم اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤگے تو میں تمھیں سچا سمجھوں گا اور اس وقت شمعون کو رہا کردوں گا (تکوین باب ۴۲) لیکن قرآن میں شمعون یا کسی اور کی گرفتاری کا کوئی ذکر نہیں بلکہ سیاق و سباق اور یوسف کے کلام کے طرز ادا سے اس کی نفی ہی متصور ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ	اور جب یوسفؑ نے اُن کا سامان تیار کردیا تو فرمایا
قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ	کہ اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا تم دیکھتے نہیں ہو
أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا	کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے
خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي	زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں اور اگر تم اس کو
بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا	میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس تمہارے
تَقْرَبُونِ	نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا۔

(یوسف: ۵۹-۶۰)

حضرت یوسفؑ کی گفتگو سے ملاطفت اور مدارات کا اظہار ہو رہا ہے، یہی نہیں بلکہ دام محبت میں گرفتار کر کے دوبارہ مصر واپس بلانے یا اس کے لیے سہولت پیدا کرنے کی غرض سے یہ حکم دیتے ہیں کہ اِجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (یوسف: ۶۲)۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے کسی کو گرفتار نہیں کیا اور نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی بلکہ اس کے برعکس شفقت سے اُن کو رام کرنا چاہا۔ اگر واقعی انھوں نے ان میں سے کسی کو گرفتار کیا ہوتا تو طرز گفتگو یہ نہ ہوتا۔ غرضیکہ قرآن سے اشارۃً یا کنایۃً کسی طرح بھی شمعون کی گرفتاری ثابت نہیں۔ اب آئیے توریت کا مذکورہ بالا بیان عقل اور توریت کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن اور توریت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت یوسفؑ بہت زیادہ عادل اور منصف تھے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ منصب نبوت پر فائز تھے، کیا ایسے منصف مزاج اور عادل شخص سے ممکن ہے کہ اس علم کے باوجود کہ آنے والے اس کے بھائی ہیں، ان میں سے شمعون کو جھوٹے الزام میں گرفتار کرلیتا؟ یقیناً یہ بات حضرت یوسف کے منصب سے بہت گری ہوئی ہے کہ ایک بے قصور کو، خواہ مخواہ کے لیے گرفتار کرلیں۔ ایک مطلق العنان، بادشاہ، جھوٹا الزام

قائم کرسکتا ہے، بے قصور کو سزا دے سکتا ہے بلکہ بے گناہوں کے خون سے اپنا ہاتھ بھی رنگین کرسکتا ہے۔
لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت یوسف بادشاہ ہی نہ تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ نبی بھی تھے اس لیے ان سے کبھی اس قسم کا فعل سرزد نہیں ہوسکتا۔ یہاں پر ممکن ہے یہ سوال بعض لوگوں کے دل میں پیدا ہو کہ اگر ان سے یہ مستبعد ہے کہ شمعون کو جھوٹے الزام میں روک لیں؛ تو ان کے لیے یہ کیوں کر جائز ہوا کہ خود بن یامین کی گٹھری میں پیالہ رکھوا کر ان کو چوری کے الزام میں گرفتار کرلیں۔ یہ سوال کسی قدر پیچیدہ ہے اور تفصیل کا طالب، لیکن مختصراً دونوں کا فرق سمجھنے کے لیے یہ مقدمہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر وہ کام جو کسی کی ایذا یا نقصان کا باعث ہو، سخت ترین گناہ ہے لیکن وہ کام جو بظاہر کسی کی تکلیف یا نقصان کا باعث ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہ ہو تو وہ کام ہرگز گناہ نہیں سمجھا جائیگا۔ چوں کہ شمعون کی گرفتاری ان کی تکلیف کا باعث ہوتی اس لیے یہ گناہ سمجھا جائے گا جس سے انبیاء کرام منزہ ہیں اور بن یامین کے ساتھ جو کچھ کارروائی کی گئی وہ سب پہلے سے ان کو بتلادی گئی تھی اور ان کی رضامندی حاصل کرلی گئی تھی اس لیے یہ گناہ کا کام نہیں سمجھا جائے گا۔

اس بیان کو توریت میں پڑھتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں نے توریت میں اگرچہ قصداً یا بلاقصد بہت کچھ تحریفات کردی ہیں۔ لیکن اکثر مقامات پر خود توریت کی شہادتوں سے اس کا محرف ہونا معلوم ہوجاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے بعض کھلے ہوئے مقامات پر، کسی مصلحت سے تحریف کرنے کو تو کردی یا بعض مقامات پر بلاقصد کمی یا زیادتی ہوگئی لیکن اس کے باوجود کہیں کہیں اصلیت علی حالہ باقی رہی جس کا علم بوجہ خفی دلالت کے ان کو نہ ہوسکا یہی باتیں بسا اوقات اصلیت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ توریت میں اگرچہ ذبح کے موقع پر اسماعیل کی جگہ پر اسحاق کا نام لکھدیا گیا ہے لیکن علامہ حمید الدین مرحوم نے اسی اصول کے ماتحت، توریت ہی کی مخفی شہادتوں سے حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا اس طرح ثابت کردیا ہے کہ اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا ملاحظہ ہو الرای الصحیح فیمن ہو الذبیح۔ بعینہ یہی صورت یہاں بھی ہے اگرچہ توریت میں تخلیط، تدلیس یا سہو وغیرہ کی وجہ سے شمعون کو روک لینے کا واقعہ درج ہوگیا ہے لیکن خود توریت کی بعض اندرونی شہادتیں اس کے خلاف ہیں جن کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں، میرا یہ خیال حسب ذیل بنیاد پر قائم ہے۔

(۱) حضرت یعقوبؑ شمعون سے بہت محبت کرتے تھے' اس کی شہادت خود توریت میں ہے کہ شمعون کی قید کے بعد جب ان کے بھائیوں نے کنعان آکر پورا واقعہ اپنے والد سے سنایا تو انھوں نے نہایت حسرت وغم سے یہ کہا: "تم نے مجھے لاولد کیا، یوسف تو نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں ہے بن یامین کو بھی لے جاؤ گے یہ سب چیزیں میرے مخالف ہیں (پیدائش باب ۴۲ آیت ۳۶).

(۲) توریت کا بیان یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اگرچہ شمعون کو روک لیا تھا لیکن کنعان واپس جانے والے بھائیوں کے ساتھ زادِ راہ اور کھانے کے لیے کافی غلہ کر دیا تھا. کنعان پہونچ کر وہ اور ان کے باپ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ جب غلہ ختم ہونے لگا تو یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو پھر مصر جا کر غلہ لانے کے لیے کہا اور ان کے حکم کے مطابق' وہ بن یامین کو ساتھ لے کر گئے' لیکن اتنی مدت کے بعد گئے' کہ وہ دو مرتبہ مصر جا آ سکتے تھے (پیدائش باب ۴۳ آیت ۱)

(۳) حضرت یعقوب نے جس وقت' اپنے بیٹوں کو مصر جانے کے لیے کہا تو صرف غلہ لانے کو غرض قرار دیا' شمعون کی رہائی کا ذکر نہیں کیا. باب ۴۳- آیت ۲ میں ہے کہ "یوں ہوا کہ جب وہ غلہ جو مصر سے لائے تھے' وہ کھا چکے تو ان کے باپ نے انہیں کہا کہ پھر جاؤ اور ہمارے لیے تھوڑی خورش مول لو" اسی طرح جب یہودا نے مصر پہنچ کر' عزیز مصر کے سامنے' اپنے سفر کی غرض و غایت بیان کی تو اگرچہ پورے اہتمام کے ساتھ حضرت یعقوب کی پوری گفتگو بیان کی لیکن مصر جانے کا حکم دیتے وقت اپنے والد کا صرف یہ جملہ بیان کیا کہ "ہمارا باپ بولا پھر جاؤ اور ہمارے لیے تھوڑا غلہ مول لاؤ" (باب ۴۴- آیت ۲۶)

مذکورہ بالا مقدمات کو اگر سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ شمعون کی گرفتاری کی داستان خلاف واقع ہے. غور کیجئے کہ اگر شمعون کو عزیز مصر نے روک لیا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت یعقوبؑ باوجود شمعون کی محبت کے جس کا ثبوت باب ۴۲. آیت ۳۶ سے ہوتا ہے، کھانے پینے میں مشغول ہو کر ان کو بھول جاتے اور ان کی رہائی کی کوئی فکر نہ کرتے اور اپنے لڑکوں کو اسی وقت مصر بھیجتے جب کھانے کے لیے کچھ باقی نہ رہ جاتا اور اس لیے بھیجتے کہ وہاں جاکر غلہ لائیں نہ کہ اس لیے کہ شمعون کی رہائی کے لیے کوئی تدبیر کریں؟ اگر واقعی وہاں شمعون مقید ہوتے تو یقیناً حضرت سننے کے ساتھ ہی ان کی رہائی کی فکر کرتے اور اپنے لڑکوں کو اس کے لیے

مصر بھیجتے اور اتنی تاخیر ہرگز گوارہ نہ کرتے کہ دو مرتبہ قافلہ مصر جاکر واپس آسکے، اسی طرح اگر واقعی شمعون وہاں گرفتار ہوتے تو اپنے لڑکوں کو مصر بھیجتے وقت کم از کم حضرت یعقوبؑ یہی فرما دیتے کہ "ذرا شمعون کا بھی خیال کرنا" لیکن توریت میں ان چیزوں کا کہیں تذکرہ نہیں ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ بن یامین کو چونکہ وہ اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرسکتے تھے اس لیے انھوں نے مصر بھیجنے میں اتنی تاخیر کردی۔ لیکن یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کیونکہ اگر غلہ کے حصول کے لیے وہ بن یامین کو بھائیوں کی شرط کے مطابق مصر بھیجنے پر تیار ہوسکتے ہیں تو یقیناً وہ لخت جگر کی رہائی کے لیے بھی ان کو بھیجنے پر تیار ہوجاتے۔ اس صورت میں کسی طرح اُسے گوارا نہ کرتے کہ ان کی رہائی کی تدبیر اتنے دن تک ملتوی رکھیں کہ قافلہ دو مرتبہ مصر جا آسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ توریت کی یہ زیادتی، عقل اور توریت کی بعض مخفی شہادتوں کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ توریت باب ۴۴ آیت ۱۸ تا ۳۴ میں بن یامین گرفتاری کے بعد یہودا نے عزیز مصر کے ساتھ جو گفتگو کی ہے اس کو دیکھنے کے بعد تو اس میں کچھ شبہہ باقی نہیں رہتا کہ شمعون کی گرفتاری کی داستان بالکل بے سروپا ہے طوالت کے خوف سے میں یہاں اس کا اقتباس درج نہیں کرتا لیکن ناظرین اگر ذرا غور سے اس کو ملاحظہ فرمائیں تو ان کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ توریت میں اس مقام پر اصلیت بہت زیادہ اجاگر ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں توریت اور قرآن میں بہت زیادہ مشابہت پیدا ہوگئی ہے۔

(۳) قرآن میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو پیالہ کی چوری کے الزام میں اپنے پاس روک لیا اور اگرچہ ان کے بھائیوں نے، ان کی جگہ پر اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا اِنَّا اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ، اس کے بعد جب وہ مایوس ہوگئے تو آپس کے مشورہ کے بعد بڑا وہیں رک گیا اور بقیہ سب لوگ کنعان واپس آئے اور یعقوب کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ وہ سن کر بہت غمگین ہوئے لیکن اب بھی وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے اور کہا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا	اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو میرے
(یوسف: ۸۳)	پاس پہونچا دے گا۔

اور اپنے لڑکوں کو یوسف اور بن یامین کی جستجو کے لیے یہ کہہ کر مصر روانہ کیا کہ

اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کی تلاش

وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

(یوسف : ۸۷)

اس مرتبہ جب وہ مصر پہنچ کر حضرت یوسف کے سامنے آئے تو انھوں نے اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیا۔

اب اس کے مقابل میں توریت کا بیان ملاحظہ ہو، توریت کا بیان اِنَّا اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ۔ کہنے تک قرآن سے بالکل مطابق ہے اور دونوں صحیفوں میں شدید معنوی اور لفظی مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد سے توریت کا بیان مختلف ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ بڑے بھائی کے سوا، سب کنعان اپنے والد کو واقعہ کی اطلاع دینے چلے جاتے ہیں اور جب مصر واپس آتے ہیں تو اس مرتبہ یوسف ان پر کھلتے ہیں لیکن توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر نے جب ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ گھر لوٹ کر نہیں جاتے بلکہ وہ سب کے سب وہیں مقیم رہتے ہیں اور یہودا' عزیز مصر کے دربار میں جاکر' اجازت لے کر اپنے خاندان کے درد و غم کی داستان اس طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ حضرت یوسف سُن کر بے قرار ہو جاتے ہیں دونوں بیانوں کو سامنے رکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ قرآن کا بیان زیادہ نیچرل زیادہ موثر اور سبق آموز ہے کیونکہ وہ اصلیت پر مبنی ہے اور توریت کے بیان کے اندر سطحیت نمایاں ہے کیوں کہ اس میں واقعہ کی اصلی صورت محفوظ نہیں۔

سب سے پہلے اس پر غور فرمائیے کہ اس قصہ کے بیان کا مقصد' آنحضرتؐ کے سامنے یعقوبؑ اور یوسف علیہما السلام کے شدائد و مشکلات کو بیان کر کے' دونوں کے صبر و شکیبائی اور بالآخر شاندار نتیجہ کے ظہور کو دکھلانا مقصود ہے تاکہ آپ کو مشرکین عرب کی ایذا رسانیوں اور استہزاؤں پر صبر آجائے، قرآن کے بیان کے مطابق یہ مقصود بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے اور دونوں کے صبر کا پہلو زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ خیال فرمائیے کہ یعقوب علیہ السلام کو، لخت جگر یوسف کی گمشدگی کے بعد' دوسرے نور نظر کی گرفتاری کی خبر پہونچتی ہے' دل' غم سے پاش پاش ہو جاتا ہے

لیکن پھر بھی فرماتے ہیں

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ	میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں۔
(یوسف: ۸۶)	

اور اپنے لڑکوں سے فرماتے ہیں

وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ	اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔

(یوسف: ۸۷)

لیکن توریت کے اعتبار سے حضرت یعقوبؑ کو اس جانگداز اور روح فرسا واقعہ کی اطلاع ہی نہیں پہونچی۔

دوسری بات اس واقعہ میں قابلِ لحاظ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے حضرت یوسفؑ، صبر و قرار کے انتہائی مرتبہ پر پہونچے ہوئے تھے، اسی بناپر گو انھیں، اپنی زندگی میں، بھائیوں کی وجہ سے متعدد صبر آزما مشکلات سے دوچار ہونا پڑا لیکن سب کو انھوں نے صبر اور استقلال کے ساتھ انگیز کیا یہ صبر ہی کا ایک گوشہ تھا کہ انھوں نے اس موقع پر، اپنے نفس کو قابو میں رکھا جہاں بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، یہ صبر ہی کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ طول طویل فراق کے بعد، یارانِ وطن سے نہیں بلکہ حقیقی بھائیوں سے ملاقات ہوتی ہے لیکن پہچاننے کے بعد بھی، ان پر اشتیاق یا بے قراری کا کوئی ایسا اثر ظاہر ہونے نہیں پاتا جس سے لوگ کچھ پتہ پاسکیں۔ یہ صبر ہی کا نمونہ تھا کہ ان کی پہلی ملاقات کے بعد رخصتی کا منظر دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی دل کی بے قراری کو دبائے رکھتے ہیں توریت کے اعتبار سے بھی بھائیوں کو دیکھ کر اور ان کی باتوں کو سن کر کئی کئی مرتبہ بے قرار ہو جاتے ہیں لیکن ضبط نفس کا یہ حال ہے کہ لوگوں کو اس کا احساس تک بھی نہیں ہونے پاتا۔ کیا یہ انتہائی صبر کا نمونہ نہیں؟ ان کے بھائی ان پر چوری کا الزام لگاتے ہیں۔

اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ	اگر اس نے چوری کی تو اس کا ایک بھائی بھی اس سے قبل چوری کر چکا ہے۔

(یوسف: ۷۷)

لیکن صاحب اختیار ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے

فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهٖ وَلَمْ	پس یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں
يُبْدِهَا لَهُمْ	پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے
	ظاہر نہیں کیا۔

کیا یہ معمولی آدمیوں سے ممکن ہے۔ صبر و استقلال کے ان حیرت انگیز واقعات کے بعد مشکل سے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ یہوداؔ کی باتیں سن کر بے قرار ہو گئے اور بے قابو ہو کر اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیا۔ یہ چیز حضرت یوسف کی صفات کے خلاف ہے اور ایسا ماننے سے، ان مصالح کا تار و پود بلا قصد بکھر جاتا ہے جن کی وجہ سے حضرت یوسفؑ نے اتنے دنوں تک اپنے کو چھپائے رکھا۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے بیان کے اعتبار سے، حضرت یوسفؑ نے تیسری مرتبہ ان کے آنے پر مناسب اور برمحل جان کر، اپنا یوسف ہونا ظاہر کر دیا، یہ نہیں ہے کہ بے قرار ہو کر انھوں نے ایسا کیا، جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں، قرآن کی عبارت یہ ہے

جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ... الى... قَالَ	اور ہم کچھ یہ نکمی چیز لے آئے ہیں۔ فرمایا
هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ	وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسف اور
وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ۔	اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا جب کہ
قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوسُفُ قَالَ	تمہاری جہالت کا زمانہ تھا کہنے لگے کیا
اَنَا يُوسُفُ۔	سچ مچ تم ہی یوسف ہو، فرمایا میں یوسف
(یوسف: ۸۸-۹۰)	ہوں۔

ان جملوں پر غور کیجیے کیا اس سے ان کی بے قراری ثابت ہوتی ہے یا ان سے ان کا استقلال ٹپکتا ہے

اس بیان میں تیسری چیز قابل غور یہ ہے کہ خود توریت کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ان کی گٹھڑی میں، پیالہ رکھوا کر، ان کو چوری کے الزام میں روک لیا۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے کو اسی موقع پر ظاہر کر دیا تو یہ تدبیر بے نتیجہ اور عبث ہو جاتی ہے۔ قرآن کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے، ان باتوں پر غور کرنے کے بعد، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں بیچ سے واقعہ کے بعض اجزا غائب ہو گئے ہیں، بن یامین کی گرفتاری کے بعد، یوسفؑ کے سامنے آکر یہوداؔ نے جو کچھ کہا ہے

ممکن ہے صحیح ہو لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت کہا ہو گا جب کنعان سے دوبارہ واپس آئے (جیسا کہ توریت میں اسی کے مشابہ گفتگو موجود ہے) نہ کہ مصر سے روانہ ہونے سے قبل، جیسا کہ توریت میں ہے چونکہ توریت میں، کمی زیادتی زیادہ ہوئی ہے، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ بیچ سے اتنی عبارت حذف ہو گئی ہو کہ "وہ لوگ اس واقعہ (یعنی بن یامین کی گرفتاری) کی اطلاع دینے کے لیے کنعان گئے لیکن اُن کے والد نے ان کو یوسف اور بن یامین کی جستجو کے لیے پھر مصر روانہ کیا۔ وہ جب مصر آئے تو یہوداہ نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر یہ کہا (باب ۴۴۔ آیت ۱۸) اور یہ سن کر یوسف نے اپنے کو ظاہر کر دیا"

اس صورت میں قرآن اور توریت بالکل متفق ہو جاتے ہیں بلکہ قرآن کے اس جملہ کی کہ

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ	ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو بڑی تکلیف پہنچ
مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ	رہی ہے اور ہم کچھ یہ نکمی چیز لے آئے ہیں
عَلَيْنَا	سو آپ پورا غلہ دیجیے اور ہم کو خیرات
(یوسف : ۸۸)	دے دیجیے۔

کے اجمال کی تفصیل بھی ہو جائے گی۔

(۴) چوتھا اختلاف یہ ہے کہ قرآن میں ہے کہ جب تمام درباری، بادشاہ کے خواب کی تعبیر سے عاجز ہو گئے تو ساقی کو حضرت یوسفؑ یاد آئے کیونکہ وہ ان کی صداقت دیکھ چکا تھا اس لیے وہ بادشاہ سے اجازت طلب کر کے، دربار سے باہر آتا ہے اور خود جا کر پہلے یوسف سے خواب کی تعبیر دریافت کرتا ہے اور پھر آ کر بادشاہ کے سامنے بیان کرتا ہے لیکن توریت میں یہ ہے کہ اس نے بادشاہ کے سامنے ہی حضرت یوسفؑ کا تذکرہ کیا، جس کی بنا پر بادشاہ نے ان کو قید خانے سے بلایا اور خواب کی تعبیر دریافت کی۔ یہاں بھی قرآن ہی کا بیان قرین قیاس اور قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے کیونکہ ساقی کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ خواب کوئی آسان خواب نہیں ہے بلکہ اتنا پیچیدہ ہے کہ تمام لوگ اس کی تعبیر بتانے سے عاجز ہو گئے ہیں اور خواب پریشان کہہ کر سب نے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے۔ اس لیے اس کی احتیاط اور یوسف کے ساتھ اس کی خیر خواہی کا تقاضا بھی تھا کہ اطمینان بخش تعبیر حاصل کیے بغیر، یوسف کا نام نہ لیا جائے۔ اس لیے اس نے اپنے کو مورد عتاب ہونے کے لیے پہلے خواب کی تعبیر حاصل کی ہو گی اور اس کے بعد یوسف کا تذکرہ کیا ہو گا نیز

یہ معلوم ہے کہ توریت کے بیان کے اعتبار سے، حضرت یوسف تہمت میں قید خانے میں ڈال دیئے گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ساقی یوسف کا گرویدہ، احسان مند اور ان کا خیر خواہ تھا، اس لیے اس نے خیر خواہی کی غرض سے، ان کا نام نہ لیا، اور دربار میں ان کا مطلب کیا جانا، مناسب نہ سمجھا کہ مبادا وہ بھی تعبیر بتانے سے قاصر رہیں اور مورد عتاب ہونے کے علاوہ، ان کو دیکھ کر بادشاہ اور درباریوں کا غصہ تازہ ہو جائے۔

(۵) پانچواں اختلاف یہ ہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق، جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر دریافت کر کے، بادشاہ کو بتادی تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور یوسف کو قید خانے سے بلا بھیجا لیکن انھوں نے اپنی بے گناہی ثابت کیے بغیر، قید خانے سے نکلنا مناسب نہ سمجھا اس لیے پیغام لانے والے سے فرمایا۔

اِرۡجِعۡ اِلٰی رَبِّكَ فَسۡـَٔلۡهُ مَا بَالُ النِّسۡوَةِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَهُنَّ	فرمایا کہ تو اپنے آقا کے پاس لوٹ جا پھر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں
(یوسف: ۵۰)	نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

اور جب پوری طرح ان کی برارت ثابت ہوگئی تو قید خانے سے نکلے اور بادشاہ کے دربار میں تشریف لے گئے، بادشاہ ان کی عقل و دانائی، عصمت و پاکدامنی اور صبر و استقلال سے بہت متاثر ہوا اور ان کو حکومت پر سرفراز کیا۔ لیکن توریت کا بیان یہ ہے کہ جب بادشاہ کے خواب کا کوئی تعبیر بتانے والا نہیں ملا، تو ساقی نے جو یوسف کے ساتھ قید خانے میں رہ چکا تھا، یوسف کا پتہ بتایا۔ حضرت یوسف قید خانہ سے بلائے گئے، وہ خوشی خوشی کپڑے بدل کر دربار میں گئے اور خواب کی تعبیر بتائی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ان کو حکومت مصر عطا کر دی اور خود نام کا بادشاہ بنا رہا۔ ملاحظہ ہو توریت کتاب پیدائش باب ۴۱۔ آیت ۴۰۔ ۴۴

ان دونوں بیانوں کے موازنہ کی ضرورت نہیں۔ بادنیٰ تامل ہر شخص کو، توریت کا بیان خلاف عقل نظر آئے گا۔ حضرت یوسفؑ کی عقل و فرزانگی اور ان کے صبر و استقلال سے جس کا ثبوت انھوں نے اپنی زندگی میں بار بار دیا اور جس کی تعریف خود آنحضورؐ نے ان الفاظ میں فرمائی لَوۡ کُنۡتُ...... لَاَجَبۡتُ الدَّاعِیَ۔ یہ بعید ہے کہ بغیر اپنے کو اس الزام سے بری ثابت کیے ہوئے، جس کی بنا پر

آپ قید خانہ میں ڈالدیے گئے ہیں، یا جس سے آپ متہم قرار دیے گئے ہیں، بادشاہ کی آواز پر لبیک کہیں گے اسی طرح یہ بھی بعید ہے کہ ملک مصر، ایسے شخص کو تخت و تاج سونپ کر، خود دستبردار ہو جائے گا جو ایسے جرم میں قید کر دیا گیا ہے۔ بادشاہ کا یہ اقدام، خود دلالت کرتا ہے کہ اس نے آپ کے اندر کسی قسم کی برائی نہیں پائی اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ بادشاہ کی طلب پر، زنان مصر نے خود ان کی پاکدامنی کی شہادت دی ہو جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ توریت کا مذکورہ بالا بیان غلط ہے۔

(۶) ایک خفیف اختلاف یہ ہے کہ توریت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی شکیم میں بکریاں چرانے گئے، حضرت یعقوبؑ نے از خود وہاں، یوسفؑ کو جب آتے دیکھا تو ان کی ہلاکت کی مختلف تدبیریں سوچنے لگے اور آنے پر انہوں نے ایک کنوئیں میں ڈال دیا، لیکن قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوب نے، یوسفؑ کو نہیں بھیجا بلکہ ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی کہ ان کو ہمارے ساتھ جنگل میں جانے دیجئے، تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھیلے کودے اور پھل کھائے، حضرت یعقوبؑ بمشکل تمام، عہد و پیمان کے بعد، ان کو ساتھ روانہ کرنے پر راضی ہوئے۔ دونوں بیانوں میں اختلاف ہے لیکن قرین قیاس، قرآن کا بیان ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ ان کے حسد و بغض سے واقف تھے جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف کا خواب سننے کے ساتھ ہی فرمایا

لا تقصص رؤیاک علی اخوتک الخ	اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان مت کرنا۔ (یوسف: ۵)

نیز توریت میں ہے کہ ان کے بھائی ان سے اس حد تک بغض رکھتے تھے کہ ان سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے جیسا کہ توریت کتاب پیدائش باب ۳۷ آیت ۴ سے ثابت ہے۔ جب ان کا حسد و بغض اس حد تک پہنچ چکا تھا تو ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کو اس کی خبر ضرور رہی ہوگی۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت یعقوبؑ ان کے اس حسد و بغض کے علم کے باوجود ان کو جنگل میں بھیج دیں۔ جہاں معلوم ہے کہ ہر قسم کی ہلاکت کے سامان، بھائیوں کے مشورہ کے بعد کیے جا سکتے ہیں۔ یہ تو یوسف کا دشمن ہی کر سکتا ہے۔ لیکن یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو محبت تھی وہ مسلم ہے یہ بالکل ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ان اختلاف کے علاوہ، بعض اور خفیف اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جن کو میں بخوفِ طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔ اخیر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان تمام خرابیوں کے باوجود قرآن کے سمجھنے کے لیے، توریت کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں، بسا اوقات سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے اور اکثر جگہ توریت سے قرآن کے اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ جب یوسف کے بھائیوں کا قافلہ، پہلی مرتبہ مصر آیا تو یوسف نے ان سے کہا کہ اِیۡتُوۡنِیۡ بِاَخٍ لَّکُمۡ مِّنۡ اَبِیۡکُمۡ، اس سے پہلے بھائی باپ وغیرہ کا تذکرہ کوئی نہیں۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے تو اپنا یوسف ہونا تو ظاہر نہیں کیا تھا پھر کیوں کر بغیر تذکرہ کیے، ان سے بھائی کو ساتھ لانے کے لیے کہا، توریت میں دیکھنے سے یہ سوال دور ہو جاتا ہے اور حضرت یوسفؑ کے طلب کی تقریب سمجھ میں آجاتی ہے۔ اسی طرح قرآن جا بجا بنی اسرائیل کا تذکرہ مختلف حیثیتوں سے اپنے اسلوب کے مطابق اشارۃً کرتا ہے۔ عرب کے لوگ چونکہ تمام واقعات سے واقف تھے اس لیے ان کے لیے اشارہ کافی تھا، لیکن ہم درحقیقت تمام اشاروں اور اجمالوں کی تفصیل معلوم کرنے کے محتاج ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں لیکن درحقیقت توریت کے مطالعہ کے لیے خاص احتیاط اور تدبر سے کام لینا پڑتا ہے ورنہ غلط راستہ پر پڑ جانا یقینی ہے۔

میرے خیال میں قرآن کی آیتوں میں متعدد احتمالات نکلتے ہیں، ان میں اس احتمال کو قوی سمجھنا چاہئیے جو توریت کے بیان سے مطابق ہو جب تک کہ توریت کا بیان کسی عقلی یا نقلی دلیل کے مخالف نہ ہو، مثلاً قرآن کی مشہور آیت لَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ (یوسف: ۲۴) نہایت معرکۃ الآرا ہے، اس کی تفسیر میں بعض مشہور مصنفین نے ایسی بے سروپا باتیں لکھی ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ وہ کوئی افسانہ تصنیف کر رہے ہیں لیکن محققین نے کلیۃً اس کا انکار کیا ہے اور آیت کی متعدد ایسی تاویلیں ہیں جن کی بنا پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا، توریت میں اگرچہ اکثر انبیاء کے متعلق زنا بتہ وغیرہ کو نہایت بے باکی سے منسوب کر دیا گیا ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ توریت بھی یوسفؑ صدیق کی عصمت کی صریح شہادت دیتی ہے (تکوین باب ۳۹ آیت، ۱۴) اس صریح شہادت کے بعد حضرت یوسفؑ کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی صریح ظلم ہے۔ اسی طرح مفسرین عام طور پر عزیز کو ملک مصر سمجھتے ہیں لیکن توریت میں تصریح ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں قرآن سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ ابھی بہت سی چیزیں قابل بحث ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(ترجمان القرآن ۶/۴ ۵، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ)